Volume 02, Issue 03,
October-December 2024
PP: 153-160
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN
Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

اردو ناول "سودوزیاں کے درمیان" کا نوآبادیاتی ومابعد نوآبادیاتی تناظر

Colonial and Post-Colonial Perspectives of Urdu Novel: Sudo Ziyān ke Darmiyān

Imrana Tabassum[1] Dr. Muhammad Yusuf[2] Kalsoom Aslam[3]

Article History

Received
20-11-2024

Accepted
05-11-2024

Published
15-12-2024

Abstract & Indexing

WORLD of JOURNALS
ASIAN Research Index
Signatory of DORA
ACADEMIA
EuroPub
REVIEWER CREDITS

Abstract

This article provides a comprehensive overview of colonialism, post-colonialism, and imperialism, delving into their profound impact on societies and social structures. It explores how these phenomena shaped the cultural, economic, and political environment, ultimately giving rise to the feudal system. This system, deeply rooted in exploitation, monopolized resources and power, leaving the underprivileged in perpetual subjugation. In Khalid Fateh Muhammad's Urdu novel, Sūdo Ziyān ke Darmiyān a vivid depiction of these historical ideologies can be observed. The novel captures the essence of colonial and post-colonial dynamics, portraying their grip on society and the resultant socio-economic disparities. The narrative sheds light on how the feudal system entrenched itself as a by-product of colonial imperialism, exploiting the poor and hindering progress. While feudalism has either vanished or is on the brink of extinction in most parts of the world, its influence remains deeply ingrained in certain regions, particularly in our country. This persistence of feudal roots serves as a significant obstacle to national development, obstructing progress in multiple spheres.

This study critically examines the historical and contemporary relevance of these issues, aiming to underscore their lingering effects on our society and highlight the need for transformative change.

Keywords

Colonialism, Post colonialism, Imperialism, Impact, Existence, Feudal, System, Developed, Monopolized, Glimpse, Examines, Gripped, Effects.

[1] ***MPhil Scholar, Department of Urdu, RYK Campus, The Islamia University of Bahawalpur.***
imranazeeshan40@gmail.com
[2] ***Lecturer, Department of Urdu, The Islamia University of Bahawalpur.***
muhammad.yousuf@iub.edu.pk
[3] ***MPhil Scholar, Department of Urdu, RYK Campus, The Islamia University of Bahawalpur.***
mayakhan8140@gmail.com

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development

OPEN ACCESS

یورپی اقوام نے افریقہ اور ایشیا پر حکمرانی کرنے کے لیے جو نظام حکومت رائج کیا اسے نو آبادیاتی نظام کہتے ہیں۔ نو آبادیاتی نظام اس وقت شروع ہوا جب طاقتوروں کے پاس معاشی وسائل ختم ہو گئے تو انہوں نے اپنے آس پاس کے کمزور علاقوں کو فتح کیا ان کے وسائل پر قبضہ کیا اور اس علاقے پر اپنی حکومت قائم کی۔

"جب کوئی ریاست اپنی افواج کے بل پر کسی کمزور ریاست اور اس کے افراد پر قبضہ کرے اور اس ملک کے قدرتی وسائل اور افرادی قوت کو اپنی اقتصادی و معاشرتی ترقی کے لیے استعمال کرے تو وہ مقبوضہ ریاست اس قابض ریاست کی نو آبادی کہلائے گی"

نو آبادیات ایک سفاک رویہ ہے جس میں ایک طاقتور ملک چھوٹے اور کمزور علاقوں پر اپنا تسلط قائم کر کے اس کا سیاسی معاشی معاشرتی اور ثقافتی استحصال کرتا ہے۔ نو آبادیات کسی علاقے پر قابض ہو کر ایک منظم گروہ کی سکونت کے ذریعے کسی انسانی معاشرے کی نو آبادکاری ہے۔ ہندوستان میں نو آبادیاتی نظام کی ابتداء اس وقت ہوئی جب 1600ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کی غرض سے ہندوستان آئی یہاں آ کر اس سونے کی چڑیا (ہندوستان) کے وسائل دیکھ کر اس کی نیت بدل گئی اس کے بعد یورپ نے ہندوستان پر اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے۔

نو آبادیاتی نظام ایک ایسا سائنٹیفک نظام ہوتا ہے۔ جس کے تحت لوگوں کو اپنے قابو میں کرنے، غلبہ پانے اور تسلط قائم کرنے کے لیئے باقاعدہ ایک حکمت عملی تیار کی جاتی ہے۔ اس کی بنیاد پر نو آبادکار اس ملک میں آ کر اپنا تسلط قائم کرتا ہے اور اسے اپنی کالونی بناتا ہے۔ نو آبادیاتی نظام میں نو آبادکار کا مقصد اس علاقے کی آبادی کو اپنے قبضے میں لینا اور اپنا غلام بنانا ہوتا ہے اور اس ملک پر قبضہ کرنے کے بعد اس کے وسائل سے فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ہندوستان پر نو آبادیاتی نظام 1947ء تک قائم رہا۔ 14 اگست 1947ء کو برطانوی راج کا خاتمہ ہو گیا۔

مابعد نو آبادیات یعنی نو آبادیاتی دور کے بعد کا دور جب نو آبادکار تو اس ملک سے چلے گئے لیکن اپنے اثرات اس ملک میں چھوڑ گئے۔ وہ نظام جس نے اس ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا.

ناصر عباس نیر اپنی کتاب "مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں" لکھتے ہیں.

"کولونیلزم ایک نیا ڈرامہ تھا۔ جس کا اسکرپٹ یورپ نے لکھا جسے کھیلنے کے لیے ایشیا اور افریقہ کی سرزمین کو منتخب کیا گیا۔ ڈرامے کے مرکزی کردار یورپی تھے۔ تاہم معاونین اور ضمنی کردار ایشیائی اور افریقی تھے۔ مابعد نو آبادیاتی مطالعہ اس ڈرامے کے کرداروں کے باہمی رشتوں، واقعات، پلاٹ وغیرہ کا تفصیلی تجزیہ کرتا ہے۔"[1]

مابعد نو آبادیات وہ دور ہوتا ہے جس میں دیکھا جاتا ہے کہ نو آبادکاروں نے کس طرح ان ممالک کے نظام کو متاثر کیا اور یہ کہ نو آبادیاتی دور سے نکلنے کے بعد بھی وہ نو آبادکاروں کی جکڑ بندیوں سے نہیں نکل پاتے۔ بظاہر آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی وہ ہر معاملے میں نو آبادکاروں کے غلام ہی رہ جاتے ہیں۔ نو آبادکار ان کے ذہنوں پر ایسی چھاپ چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کے جانے کے بعد بھی وہ ان کے مرہون منت ہی رہیں۔ مابعد نو آبادیات ایک ایسا عمل ہے جو نو آبادیاتی، سیاسی اور ثقافتی غلبے کے رد عمل کے طور پر سامنے آتا ہے۔ نو آبادیات اصل میں اجارہ داری اور ظلم وجبر کا نام ہے۔

جبکہ مابعد نو آبادیاتی مطالعہ میں نو آبادکار کے ظلم و ستم، اجارہ داری اور جبر کردہ تدبیروں اور ان سے پیدا کردہ نتائج کا پردہ چاک کیا جاتا ہے۔ نو آبادیاتی نظام میں انگریزوں نے وہاں کے مقامی لوگوں کو اپنا سہولت کار بنایا تا کہ انہیں وہاں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے میں آسانی رہے اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے سہولت کار پیدا کیئے۔

اس ضمن میں لارڈ میکالے کی رپورٹ میں یہ بیان کیا گیا:

فی الوقت ہماری بہترین کوششیں ایک ایسا طبقہ معرضِ وجود میں لانے کے لئے وقف ہونی چاہیئں جو ہم میں اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین جن پر ہم حکومت کر رہے ہیں، ترجمانی کا فریضہ سر انجام دے۔ یہ طبقہ ایسے افراد پر مشتمل ہو جو رنگ و نسل کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہو، لیکن ذوق، ذہن، اخلاق اور فہم و فراست کے اعتبار سے انگریز۔"[2]

مقامی لوگوں میں سہولت کار پیدا کرنے کا تصور خاصہ انقلابی تھا۔ اس مقصد کو پورا کرنے اور اپنے قدم مضبوط کرنے کے لیے نو آبادکاروں نے تین طرح کے گروہ پیدا کیئے۔ پہلے گروہ میں وہ لوگ شامل تھے جو ان کی تہذیب و ثقافت کو سمجھتے تھے۔ یہ لوگ ان سے فکری طور پر متاثر تھے۔ یہ لوگ ہمیشہ ان کے زیر تسلط رہے۔ انہوں نے نو آبادکاروں سے بہت اثر لیا اور اپنے آقاؤں کی ہر طرح سے پیروی کرنے کی کوشش کی۔ دوسرے گروہ میں وہ لوگ شامل تھے۔ جو نا صرف ان کی نقالی کرتے تھے بلکہ وہ ان کے ملک میں جا کر رہائش پذیر ہوئے اور ان کے علوم سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ ان کی تہذیب و ثقافت کا بغور مشاہدہ کیا۔ اس سے اتنا متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنا رہن سہن بھی بلکل ان جیسا کر لیا۔ یہ گروہ نو آبادکاروں سے بہت متاثر ہوا۔ اس گروہ نے سوچا کہ اپنے ملک میں جا کر ایسا نظام رائج کریں گے۔ لیکن نو آبادکاروں نے انہیں صرف ایک مہرے کے طور پر استعمال کیا۔ کیونکہ نو آبادکار کبھی یہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کے برابر آئے۔ تیسرے گروہ میں وہ لوگ شامل تھے جنہوں نے نہ ان کی زبان کو سیکھا اور نہ ہی ان کی تہذیب و ثقافت کو سمجھا۔ اس گروہ کے لوگوں نے نو آبادکاروں سے متاثر ہو کر ان کی اندھی تقلید کی۔ یہ گروہ بہت شاطر تھا۔ ان کا مقصد صرف اور صرف مفاد حاصل کرنا تھا۔ یہ گروہ اپنے وطن سے غداری کر کے انگریزوں کا سہولت کار بنا ان کے جائز و ناجائز کام کئے اور بدلے میں انگریز سرکار نے انہیں جاگیروں سے نوازا۔ یہی لوگ بعد میں جاگیر داری نظام کی بنیاد بنے۔ اس طرح 30 کروڑ ہندوستان کی آبادی پر صرف 40 ہزار سول ملازمین نے قبضہ کئے رکھا۔ انگریز نو آبادکاروں نے اپنے لئے آسانی پیدا کرنے کے لیے ایسے گروہ کو جنم دیا جس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ اس گروہ نے اپنوں کی جڑیں کاٹ کر انگریزوں کی مدد کی۔ اس بغاوت اور وفاداری کے عوض ان کو انگریز حکومت نے مراعات سے نوازا۔

ایڈورڈ سعید اپنی کتاب "Culture and Imperialism" میں لکھتے ہیں:

سامراجیت کا مطلب دور دراز علاقے پر حکمرانی کرنے والے ایک میٹروپولیٹن (حکمران) مرکز کا طرز عمل ہے۔ (نو آبادیات) جو تقریباً ہمیشہ سامراج کا نتیجہ ہوتا ہے یعنی دور دراز علاقے پر بستیوں کی آبادکاری ہے۔"[3]

نو آبادیات اور استعماریت ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہے۔ کیونکہ استعماریت وہ تصور ہے جسے نو آبادیاتی نظام کے ذریعے عمل میں لایا جاتا ہے۔ سامراجیت (امپریلزم) میں نو آبادکار بلا واسطہ حکومت نہیں کرتے بلکہ بلواسطہ حکومت کرتے ہیں۔ جاگیر داری نظام بھی نو

آبادیات کی ہی دین ہے۔ یہ انگریزوں کی ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔ جس کے زریعے وہ اپنے ملک میں رہ کر دوسرے ملک پر اپنی اجارہ داری قائم رکھتے ہیں۔ ہمارا جاگیر داری نظام اس کی واضح مثال ہے۔

ڈاکٹر مبارک علی "جاگیر داری اور جاگیر درانہ کلچر" میں لکھتے ہیں۔

" اپنے عہد میں برطانوی حکومت ان ہندوستانیوں کو جاگیروں سے نوازاتی رہی ۔ جنہوں نے ہندوستان کی جنگوں میں افغانستان ، برما کی لڑائیوں میں ان کی مدد کی۔ زمین دینے کی پالیسی ان عہدے داروں کے ساتھ تھی۔ جو ان کی انتظامیہ میں شامل تھے۔اس طرح انہوں نے نئے جاگیر دار طبقے کی ناصرف تشکیل دی بلکہ مستحکم اور مضبوط بھی بنایا۔"[4]

قیام پاکستان کے وقت جو لوگ انگریزوں کے سہولت کار بنے۔ جنہیں جاگیروں اور جائیدادوں سے نوازا گیا۔ یہی طبقہ قیام پاکستان کے بعد پوری طرح مسلط رہا۔ یہ طبقہ نو آبادکاروں کی ہی پیداوار ہے۔ انگریز حکومت نے قیام پاکستان کے وقت جائیدادوں کی ایسی غیر منصفانہ تقسیم کی کہ جن کو نوازا گیا وہ امیر سے امیر ترین اور جنگی جائیدادیں لوٹی گئیں وہ یہاں کی سرزمین پر آکر غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئے۔

اردو ادب کے عصری ناولوں میں نو آبادیاتی پہلوؤں کو بہت خوب صورتی سے عیاں کیا گیا ہے۔ خالد فتح محمد کے ناول "سود وزیاں کے درمیان" میں جس معاشرے کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس میں نو آبادیاتی اثرات کو نمایاں طور پر واضح کیا گیا ہے۔ اس ناول میں انگریزوں کے پیدا کردہ گروہ جس نے پاکستان میں آکر جائیدادوں پر قبضہ کر کے کس طرح اپنی جڑیں مضبوط کیں اور اپنا تسلط قائم کیا۔ اس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ گروہ انگریزوں کی طرح ہی اس زعم میں ہے کہ ہم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔ ان کا مقصد ہی صرف اپنی اجارہ داری قائم کر کے ایک ایسے معاشرے کو تشکیل دینا ہے۔ جو صرف ان کے زیر اثر رہے۔

خالد فتح محمد نے اس ناول میں پاکستانی معاشرے میں سرایت کردہ اس فرسودہ نظام کا عکس دکھایا ہے۔ جس میں صرف جاگیر داری اور سرمایہ درانہ نظام کی اجارہ داری ہے۔ اس نظام میں غریب کی کوئی وقعت نہیں۔ وہ ان کے یے ا ایک چیونٹی کی مانند ہے کہ جب بھی کوئی ان کے خلاف کھڑا ہو یا برابر آنے کی کوشش کرے اس کو مسل دیا جائے تا کہ کوئی ان کے مدمقابل کھڑا ہی نہ ہو سکے۔ اس طرح ان کی سامراجیت ہمیشہ قائم رہے۔ اس سامراجیت کو قائم رکھنے کے لیئے وہ ہر حربہ استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے بے شک اس کے لیئے دوسرے کا جتنا بھی نقصان ہو جائے انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ استعماریت اور جاگیر داری نظام میں کوئی فرق نہیں دونوں ہی انسانیت کے لیے زہر ہیں۔ جاگیر داری نظام وہ ڈھانچہ ہے جس کے تحت زمیندار طبقہ محنت کش طبقے کا استحصال کرتا ہے اور ان کے وسائل کو لوٹنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔

ناول "سود وزیاں کے درمیان" میں نو آبادیاتی نظام کے نمائندہ کردار مختار خان اور گولے خان ہیں۔ ان کے خاندان نے نو آبادیاتی دور میں انگریزوں کی سہولت کاری کی تھی جس کے عوض انگریزوں نے انہیں مراعات کے طور پر جاگیر دار بنا دیا۔

ڈاکٹر مبارک علی اپنی کتاب "جاگیر داری اور جاگیر درانہ کلچر" میں لکھتے ہیں:

"برطانوی حکومت نے اپنے ایسے افراد کو بھی جاگیریں دیں کہ جنہوں نے ان کی حکومت کے قیام اور استحکام میں ان کی مدد کی تھی ۔ چنانچہ غدر میں جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا انہیں ان ہی زمینوں میں سے حصہ دیا گیا جو مخالفوں کی زمینوں پر قبضہ کرنے کے بعد حکومت کے پاس تھیں"[5]

جن کو جاگیریں دیں گئیں وہ اپنے علاقے کے حاکم بن گئے اور سب علاقے والے ان کے تابع ہو گئے۔ جو بھی ان کے خلاف اٹھنے یا برابر آنے کی کوشش کرتا اسے وہیں دبا دیا جاتا تھا۔ اس طرح جو نو آبادیاتی دور میں انگریزوں کے غلام تھے وہ مابعد نو آبادیاتی دور میں ان کے غلاموں کے غلام بن گئے۔ ان جاگیرداروں نے اپنے سے نچلے طبقے پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے شکنجہ کس لیا اور اپنی گرفت ان پر اتنی مضبوط کر لی کہ بعد میں وہ اس سے نکل ہی نہیں پائے۔ اس ناول میں پسنے والے طبقے میں جن کا استحصال ہوا غلام نبی کا خاندان تھا۔ وہ لوگ جو انگریزوں کے خلاف تھے۔ انگریزوں نے انہیں دبایا اور ان کے پاس جو کچھ بھی تھا اسے ضبط کر لیا گیا۔ اس ناول میں خاندانوں میں خونی رشتے ہونے کے باوجود بہت تفاوت پایا جاتا ہے۔ ایک وہ جنہیں غداری کے بدلے مراعات ملیں اور دوسرا وہ جسے ملک سے وفاداری کی سزا کے طور پر غربت کی زندگی نصیب ہوئی۔ غلام نبی کی وفات کے بعد اس کی بیوی اور بیٹا ان کے رحم و کرم پر نوکروں جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ اس طرح جب یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے تو نسل در نسل چلتا رہتا ہے اسی طرح مابعد نو آبادیاتی دور میں جو لوگ محب وطن تھے جو نو آبادکاروں کے خلاف لڑے وہ ویسے کے ویسے ہی رہے ان کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ جبکہ جاگیرداری نظام سے وابستہ لوگوں مثلاً مختار خان اور گولے خان کی نسلیں سنور گئیں اور کمزوروں اور محب وطنوں کو وفاداری کے بدلے سزا کے طور پر نوکروں جیسی زندگی نصیب ہوئی:

> "غلام نبی نے انگریزوں کے خلاف اپنے طور پر اعلان جنگ کیا ہوا تھا۔ گولے خان کا باپ اس کا چچا اور مختار خان اس کا تایا تھا۔ دونوں سرکار کے ہر قانون کے پابند اور وفاداری نبھانے کا عہد کیے ہوئے تھے۔ جس کے صلے میں انھیں نوازا گیا۔[6]

نو آبادیاتی دور میں طاقتور قومیں جب کسی قوم کو غلام بنانا چاہتی تھیں تو اس ملک کی زبان، ثقافت، تعلیم اور معشیت پر آ کر غلبہ حاصل کرنے کے بعد حکومت کرتی تھیں۔ سرمایہ داریت ایک دوسرا جال ہے۔ جس میں سامراجیت کو پروان چڑھایا گیا اور نو دولتی پیدا کیئے گئے۔ جو کہ جاگیرداری نظام کے خلاف کھڑے ہوئے۔ ان نئے سرمایہ داروں نے جاگیرداروں کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس ناول میں فقیر حسین (دوکاندار) اور کمہار (رفیق) کے کردار اس کی مثالیں ہیں جو جاگیرداری نظام کے خلاف کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے آباؤاجداد کا بدلہ لیا اور فیاض کے کردار نے ان کے بدلہ لینے میں سہولت کار کا کام سرانجام دیا کیونکہ وہ ہی ڈیرے سے معلومات لا کر دیتا تھا۔

اس ناول میں جاگیرداری نظام کے ساتھ ساتھ سرمایہ دارانہ نظام کی بھی بہت خوب عکاسی کی گئی ہے کہ کس طرح جاگیرداری نظام کے ظلم و ستم اور تسلط کو ختم کرنے کے لیے سرمایہ درانہ نظام نے غریب عوام کو ہی استعمال کر کے اس نظام کا خاتمہ کرنا چاہا، اس کے لیے باقاعدہ ایک حکمت عملی کے تحت ان کے اپنوں کو ہی استعمال کر کے ان کی جڑوں کو کمزور کیا گیا۔ اس ناول میں فیاض ان کا بھتیجا اس کی مثال ہے جو کہ اپنا حق حاصل کرنے کے لیے سرمایہ درانہ نظام کے ہاتھوں کھلونا بنا۔ اس ناول میں الیکشن کا دور دکھایا گیا ہے۔ جس میں گاؤں کے وڈیرے مختار خان اور گولے خان ہمیشہ سے بلا مقابلہ منتخب ہو رہے ہوتے ہیں اور کونسلر کی سیٹ بلا مقابلہ ہمیشہ ان کی ہی ہوتی ہے۔ لیکن فقیر حسین اور کمہار اس الیکشن میں بازی پلٹ دیتے ہیں۔ اس ناول میں دکھایا گیا ہے کہ ایک طرف سامراجیت جو کہ کسی طور پر ہار ماننے کو تیار نہیں وہ الیکشن جیتنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں تاکہ اس گاؤں میں ان کی اجارہ داری اور رعب و دبدبہ قائم رہے اور دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام کی بھی عکاسی کی گئی ہے جو کہ اپنے طور پر چال چل کر جیت اپنے نام لگواتے ہیں اور سامراجیت کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

"ڈیرے پر ایک ناامیدی کی سی فضا تھی جسے وہ دونوں امید میں تبدیل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔۔۔۔ فیاض کو اس سارے ماحول میں عجیب سا لگا۔ اسے محسوس ہوا کہ یہاں موجود سب لوگ ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے ہیں اور وہ خود بھی اس دھوکے کا حصہ تھا۔ تب ہی گولے خان نے ہاتھ ہلا کے خاموش کروایا۔ اس گاؤں میں کونسلر ہمیشہ بلا مقابلہ ہوتا آیا ہے اور اب کمہار گاؤں کے مقابلے میں آ گیا۔ کل اسے کاغذات نامزدگی جمع کروانے نہیں دیا جائے گا اور جو بھی اس کا تصدیق کندہ ہوگا اسے بھی گاؤں کا حصہ بننے کا کوئی حق نہیں۔ سب خاموش اسے دیکھتے رہے کسی نے کوئی حمایت یا مخالفت نہیں کی۔"[7]

اس ناول میں دکھایا گیا ہے کہ سامراج کبھی ہار ماننے کو تیار نہیں ہوتا وہ اپنی سامراجیت کو قائم رکھنے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ کہ کسی طرح بھی ان کی اجارہ داری کی گرفت کمزور نہ پڑے۔ اس ناول میں بھی مختار خان اور گولے خان نے کمہار کو دبانے اور پیچھے ہٹانے کے لیے ہر طرح کے حربے استعمال کیے۔ جس طرح نوآبادیاتی دور میں نوآبادکار یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس نوآبادکار ملک پر جس پر اس نے قبضہ کیا. اس پر اس کی اجارہ داری ختم نہ ہو اور وہ ہمیشہ اسی کے زیر تسلط ہی رہے۔ بالکل اسی طرح ان کے پیدا کردہ گروہ میں بھی وہ ہی خصوصیات پائی جاتی ہیں کہ وہ اپنے برابر کسی کو بھی نہیں آنے دیتے۔ اس کے لئے انہیں کچھ بھی کرنا پڑے وہ کر گزرتے ہیں۔

"گولے خان مختصر سی تقریر کر کے بیٹھ گیا۔ اس نے حقے کا کش لیتے ہوئے موجود لوگوں کو غور سے دیکھا اور پھر اس نے مختار خان کی طرف دیکھا کمہار کو اطلاع ہوگئی ہوگی کہ اس کا مکھو ٹھپا جا رہا ہے۔ بہت پیسہ کما چکا۔ جس طرح جونک کا چوسا ہوا خون نکال کر واپس پوٹے جیسی مخلوق بنا دیا جاتا ہے۔ اب وہی حال کمہار کا کرنا ہے برسوں کی ٹھگی ہوئی دولت اس کے اندر سے نکال کر اسے کھوتے پر بٹھا دینا ہے۔"[8]

اس ناول میں ایک اہم پہلو یہ بھی عیاں کیا گیا ہے کہ جاگیرداری نظام ہمارے یہاں ختم ہوا ہی نہیں بلکہ اس نے رنگ بدلہ ہے۔ جاگیرداریت اب سرمایہ داریت میں بدل گئی ہے۔ اس ناول میں جاگیرداری نظام اور سرمایہ درانہ نظام کے تصادم کو بہت اچھے انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ نوآبادیات ایک ایسا ناسور ہے۔ جس نے ہمارے نظام میں اس قدر سرایت کر لیا ہے کہ ہم کسی طور بھی اس سے نکل نہیں سکتے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس نے شکل بدل لی ہے لیکن تسلسل ایک ہی چلا آرہا ہے اس کے اثرات سے ہم کسی طور پر بھی باہر نہیں نکل پا رہے۔

ناصر عباس نیر "مابعد نوآبادیات اردو کے تناظر میں" میں لکھتے ہیں۔

"قومی تشخص اور ثقافتی وجود کو جو کاری زخم نوآبادیات نے لگائے تھے ان میں سے اب تک خون رس رہا ہے۔ کہیں تو ناسور بن گئے۔ طرفہ تماشا یہ کہ زخموں کو مندمل کرنے کا چارہ نہیں کیا جاتا۔ اگر کیا جاتا ہے تو نیم دلی کے، جس سے زخموں پر نمک پاشی ہوتی ہے اور وہ بھی نہایت بھونڈے انداز میں پاکستان کا موجود نظام اس کی روشن مثال ہے۔[9]

اس ناول میں خالد فتح محمد نے ایک پسے ہوئے طبقے کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان کو نا صرف بیان کیا ہے بلکہ اس معاشرے کا ایک بھیانک چہرہ بھی بے نقاب کیا ہے۔ جس میں پسنے کے لیے صرف غریب کی زندگی ہے۔ اشرافیہ اس ملک کا خون چوسنے اور شاہانہ زندگی گزارنے کے لئے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ اب تک ہمارا ملک اس نو آبادیاتی نظام سے نکلا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ رنگ بدل کر کسی دوسری صورت میں ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ ہم پہلے نو آبادکاروں کے غلام رہے اور اب ان کے غلاموں کے غلام بن کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

خالد فتح محمد کے ناول "سود و زیاں کے درمیان" میں نو آبادیاتی، مابعد نو آبادیاتی، سامراجیت، جاگیرداری نظام اور سرمایہ دارانہ نظام کی مکمل عکاسی کی گئی ہے۔ مابعد نو آبادیات تب تک رہے گا جب تک معاشرے میں نا انصافی اور جواب دہی کے خوف کے آزاد طاقت کے رشتے موجود ہیں۔

حوالہ جات:

1 ناصر عباس نیر، **مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں**،(کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس 2013ء)، ص:6۔

2 ایضاً، ص12۔

3 ایڈورڈ سعید، **Culture and Imperialism**،(ونٹاز انگلینڈ،1994)، ص6۔

Imperialism means the practice, the theory and the attitude of a dominating metropolitan centre ruling a distant territory ' Colonialism ‘which is almost always a consequence of imperialism is implanting of settlements on distant territory.

4 مبارک علی، ڈاکٹر، **جاگیرداری اور جاگیردرانہ کلچر**،(لاہور: مشعل بکس،1996)، ص97۔

5 ایضاً، ص98۔

6 خالد فتح محمد، **سودوزیاں کے درمیان**(لاہور: فکشن ہاؤس)، ص7۔

7 ایضاً، ص26۔

8 ایضاً، ص27۔

9 ناصر عباس نیر، **مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں**،(کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس،2013ء)ص4۔